ISSN: 2519-6332 (Print), ISSN: 2708-1915 (Online)

محمود احمد ❁
ڈاکٹر سیّدہ مصباح رضوی ❁❁

ابنِ انشا کی خطوط نگاری: تحقیقی و تنقیدی جائزہ

A critical and research review of Ibn-e-Insha's correspondence

By *Mahmood Ahmed, PhD scholar, Dept. of Urdu, Govt. College University, Lahore.*

Dr. Sayida Misbah Rizvi, Assoc. Prof. Dept. of Urdu, Govt. College, University, Lahore.

ABSTRACT

The letters, though considered to be private affair, but written by Prominent and literary figures are extremely important from certain aspects. These Letters help in understanding the personalities of these figures literary movements and literary theories of their era. Sher Muhammad Khan, known as Ibn Insha is a distinguished humorist, poet, columnist and travel writer in Urdu Literature. The letters written by him to his contemporaries have been published in the form of a collection, which greatly helps in understanding his personality and the era he lived in. This article is based on a critical and research review of his letters.

Keywords: Letters, Ibn-e-Insha, Distinguished, Movements, Literary, Contemporaries, Critical.

خط اگرچہ نجی اور ذاتی دستاویز سمجھی جاتی ہے۔جس میں بہت ساری چیزیں ایسی ہوتی ہیں جو فسادفی الارض کا

❁ پی ایچ ڈی اسکالر، شعبۂ اردو، گورنمنٹ کالج یونی ورسٹی، لاہور

❁❁ ایسوسی ایٹ پروفیسر، شعبۂ اردو، گورنمنٹ کالج یونی ورسٹی، لاہور

ISSN: 2519-6332 (Print), ISSN: 2708-1915 (Online)

موجب بن سکتی ہیں۔ تاہم مشاہیر کے خطوط بعض حوالوں سے انتہائی اہمیت کے حامل ہوتے ہیں۔ کیوں کہ ان سے شخصیت اور حالات کے بہت سے منفی گوشے وا ہوتے ہیں۔ کسی بھی شاعر، ادیب کو اس کی اصل حالت میں دیکھنے کے لیے نجی تحریروں خاص طور پر مکتوبات کو نظر انداز نہیں کیا جا سکتا، کیوں کہ ان میں وہ شخصیت ان رنگوں کے ساتھ منعکس ہوتی ہے جو باقی تحریروں میں عام طور پر اوجھل رہتی ہے۔ ذاتی خیالات و واقعات، تحقیقی سرگرمیوں کے محرکات اور مفاہیم و مطالب کی تفہیم میں بھی انتہائی مدد و معاون ثابت ہوتے ہیں اور اگر خطوط میں ذاتی احوال کے علاوہ ادبی نکات، تحاریک اور معاصرین پر اظہار رائے ہو تو ان کی اہمیت دو چند ہو جاتی ہے۔ مزید برآں ادبا کے خطوط وہ سماجی تاریخ بھی مرتب کر رہے ہوتے ہیں جن کی سچائی اور اہمیت سے انکار ممکن نہیں۔

مکتوب نگاری ماضی قریب تک اہم سماجی، ادبی سرگرمی رہی ہے۔ جدید ذرائع ابلاغ نے اس کی صورت تبدیل کی ہے۔ تاہم جواز اور ضرورت و اہمیت اسی طرح قائم ہے۔ اسے نصف ملاقات اسی وجہ سے قرار دیا گیا ہے۔ تحقیق کاروں نے جب اس صنف کو وسیلہ اظہار بنایا تو اپنی ذہنی اوپج سے تخلیقات کے سنگھاسن پر لا براجمان کیا۔ اسی وجہ سے ان کی آپ بیتی میں بھی جگ بیتی کی کیفیت نظر آتی ہے۔ اردو مزاح نگاروں کے خطوط ان کے ذاتی احوال کے علاوہ دیگر کئی حوالوں سے قابل توجہ ہیں بعض نے خطوط نگاری میں بھی اپنے اسی اسلوب کو برقرار رکھا ہے تو کچھ کے ہاں مزاح کے ساتھ ساتھ سنجیدگی اور متانت بھی جھلکتی ہے۔

اردو ادب کے ممتاز مزاح نگار شاعر اور کالم نگار شیر محمد خان معروف ابنِ انشا (۱۵/ جون ۱۹۲۷ء تا ۱۱/ جنوری ۱۹۷۸ء)[۱] کا نام ایک خاص انفرادیت رکھتا ہے۔ ان کی شخصیت کی پہلو داری ان کی تحریروں میں نظر آتی ہے۔ ان کی نثری تحریروں میں جہاں اوّل تا آخر طنز و مزاح کی کارفرمائی نظر آتی ہے وہیں ان کی شاعری میں ہماری ملاقات ایک منفرد ابن انشا سے ہوتی ہے۔ فکاہیہ کالم نگاری، سفرنامہ نگاری، پیروڈی کے علاوہ ان کی مکتوب نگاری بھی خاصے کی چیز ہے۔ ان کے خطوط مجموعے کی صورت میں خط انشا جی کے کے عنوان سے سب سے پہلے ریاض احمد ریاض نے مرتب کر کے لاہور اکیڈمی سے ۱۹۷۸ء میں طبع کروائے۔ موصوف نے ابنِ انشا: احوال و آثار کے عنوان سے کتاب بھی مرتب کی جو دراصل ان کی پی ایچ ڈی کے مقالے کی کتابی شکل ہے۔ یہ مقالہ انجمن ترقی اردو پاکستان سے ۱۹۷۸ء میں پہلی دفعہ شائع ہوا۔ مذکورہ بالا خطوط کے مجموعے میں خطوط کی تعداد ۱۵۰ ہے۔ پہلا میسر شدہ خط ۱۹۴۳ء کا اور آخری خط ۱۳/ دسمبر ۱۹۷۷ء کا لکھا ہوا ہے۔ ان ۳۵ سالوں میں یقیناً انھوں نے بہت سے خط لکھے ہوں گے جن میں سے بہت کم تعداد اس مجموعے میں شامل ہو پائی ہے۔ یہ خط معاصر شعرا اور ادبا کے نام ہیں۔ جن میں نجی، غیر نجی، رسمی، غیر رسمی سبھی قسم کے خطوط شامل ہیں۔

ISSN: 2519-6332 (Print), ISSN: 2708-1915 (Online)

مطبوعہ خطوط میں ابنِ انشا کے خطوط رسائل اور مشاہیر کی کتب میں بھی محفوظ ہیں۔ رضیہ فصیح احمد کے نام مشاہیر نے جو خط لکھے ان کو مجموعے کی صورت میں نامے میرے نام کے عنوان سے رنگ ادب کراچی نے مئی ۲۰۱۳ء میں شائع کیا۔ اس میں ابنِ انشا کے ۱۳ خطوط بھی شامل ہیں۔ دامانِ باغباں (مرتبہ قراۃ العین حیدر، ایجوکیشنل پبلشنگ ہاؤس، دہلی ۲۰۰۱ء) میں بھی ابنِ انشا کے ۳ خط قراۃ العین حیدر کے نام ہیں۔ دامنِ یوسف فیض بنام سرفراز (ماورا پبلشرز، لاہور، ۱۹۸۹ء) میں ان کے خطوط کی تعداد ۵ ہے۔ قومی زبان کراچی جنوری ۱۸۸۷ء اور ایوانِ اردو دہلی، جولائی ۲۰۱۲ء کے شماروں میں بھی بلا ترتیب دو اور ایک خط شامل ہے۔

جہاں تک مکتوبات کی اشاعت اور ان کے منظرِ عام پر لانے کا سوال ہے۔ ابنِ انشا بھی غالب کی طرح اپنے خطوط کی اشاعت کے حق میں نہیں تھے۔ محمد طفیل مدیر نقوش نے جب مشاہیر کا خطوط نمبر نکالنا چاہا تو مشاہیر کی فہرست میں ابنِ انشا کو بھی شامل کیا۔ ان کے استفسار کے جواب میں ابنِ انشا اپنے خط مکتوبہ ۱۸ر دسمبر ۱۹۴۷ء میں لکھتے ہیں:

> آخر وہ کون سے خط ہیں جو آپ کے قبضے میں آگئے ہیں۔ اسے فارسی میں در بیاں جنوں بردن ورسوا ساختن کہا جاتا ہے۔ اور پنجابی میں بھراواں دیاں بھاجیاں... کسی کے نام کوئی فارمل خط ہے تو اس کے چھاپنے کا کوئی فائدہ نہیں اور اگر ان فارمل ہے تو ناگفتنی باتوں سے بھرا ہوگا۔(۲)

اسی خط میں وہ اپنے خطوط کو اپنی بہترین تحریریں بھی گردانتے ہیں، لکھتے ہیں:

> میں نے کھلے کھلے خط فقط چند دوستوں کو لکھے ہیں... طویل اور بے تکلفانہ... شاید میری بہترین تحریریں بھی وہی ہیں۔ لیکن ان کے چھپنے میں فساد خلق ہے۔(۳)

ابنِ انشا خطوط کو چھاپنا Privecy میں دخل اندازی کے مترادف گردانتے تھے۔ محمد طفیل کے نام مکتوبہ ۱۰ر فروری ۱۹۶۸ء میں لکھتے ہیں۔

> کیا آپ کسی فرد کی Privecy کے قائل نہیں؟ کیا کسی لکھنے والے کو نجی زندگی بسر کرنے کا کوئی حق نہیں...؟ آپ ہمیں بتائے بغیر ہمارے خط چھاپ رہے ہیں۔ کیا آئندہ کسی کو خط بھی نہ لکھیں؟ کل کلاں آپ ہمارا فون بھی ٹیپ کرنا شروع کر دیں گے۔(۴)

مرکوزہ بالا دلائل اور وجوہات کی بنا پر ابنِ انشا اپنے خطوط کی اشاعت کے حق میں نہ تھے۔ تاہم ان کے

ISSN: 2519-6332 (Print), ISSN: 2708-1915 (Online)

خطوط ان کی سوانح اور شخصیت کے بارے میں بہت ساری معلومات فراہم کرتے ہیں۔ابنِ انشا کا تعلق عام اور غریب گھرانے سے تھا شادی بھی لڑکپن میں ہوگئی۔ پڑھائی کے ساتھ ساتھ گھریلو ذمے داریوں کو نبھانے کے لیے انھیں مختلف ملازمتیں کرنا پڑیں۔مختلف معاشی اور صحت کے مسائل کا شکار رہے۔آزادی کے بعد بھی ایک عرصے تک معاشی تنگ دستی رہی۔ان کے ابتدائی دور کے خطوط میں ان مسائل کا ذکر بکثرت ملتا ہے۔

تعلیمی میدان میں ابنِ انشا نہایت قابل اور ذہین واقع ہوئے تھے،تمام تعلیمی مراحل انھوں نے اعزاز کے ساتھ طے کیے اردو کالج کراچی سے ایم اے کی ڈگری بھی پہلی پوزیشن کے ساتھ حاصل کی پی ایچ ڈی کی تکمیل تو مصروفیات کی وجہ سے نہ کر سکے۔لیکن اس کا ذکر ان کے خطوط میں بھی ملتا ہے خلیل الرحمٰن اعظمی کے نام اپنے خط مرقومہ ۲۳/جنوری ۱۹۵۷ء میں لکھتے ہیں:

> میری پوزیشن یونی ورسٹی میں پہلی تھی ڈاکٹریٹ میں داخلہ لیا تو مولوی صاحب میرے ڈائریکٹر ہوئے۔(۵)

پی ایچ ڈی کے موضوع نگران اور اسے نامکمل چھوڑنے کے بارے میں اپنے خط ۱۷/ستمبر ۱۹۵۵ء میں خلیل الرحمٰن اعظمی کو مزید لکھتے ہیں:

> میری ریسرچ کی معیاد دسمبر میں ختم ہو رہی ہے لیکن رفتار کار تسلی بخش نہیں مجھے مصروفیتیں بہت رہتی ہیں۔میرے نگران مولوی عبدالحق صاحب ہیں۔ انھوں نے بہت ڈھیل دے رکھی ہے۔آپ کی دلچسپی کے لیے لکھ رہا ہوں کہ میرے مقالے کا موضوع کیا ہے۔
>
> Tradition of nazam (to the exclusion of ghazal) in Urdu poetry are historical and criltical survey from the earliest times.(6)

اُن کے خطوط سے ان کی نجی زندگی پر بھی روشنی پڑتی ہے۔ان کی پہلی شادی اس وقت ہوئی جب وہ نہم کلاس کے طالب علم تھے۔اس بیوی سے ابن انشا کے دو بیٹے اور ایک بیٹی تھی۔لیکن یہ شادی کامیاب نہ ہوسکی ۱۰ سال بعد علیحدگی ہوگئی۔لیکن طلاق بھی نہ ہوئی ان کی دوسری شادی ۱۹۶۸ء میں ہوئی جب وہ کراچی میں نیشنل بک پاکستان کونسل کے ڈائریکٹر تھے یہ شادی ان کے دوست قدرت اللہ شہاب کی بیوی نے کروائی اس بیوی سے بھی ان کے دو بیٹے تھے۔

ابنِ انشا کی زندگی کا ایک اہم واقعہ ان کی عشق میں ناکامی اور اس کے بعد خودکشی پر غور ہے۔ یہ معاملہ

ISSN: 2519-6332 (Print),   ISSN: 2708-1915 (Online)

کراچی میں درپیش آیا اور مذکورہ خاتون شادی شدہ تھیں وہ اس معاملے میں اتنے سنجیدہ ہو گئے کہ بات خودکشی تک پہنچ گئی اس واردات قلبی کا ذکر ان کے بے تکلف دوست کے نام لکھے خطوط میں ملتا ہے خلیل الرحمٰن اعظمی کو خط ۱۰ دسمبر ۱۹۵۷ء میں لکھتے ہیں:

> کبھی ملو تو تمھیں بتاؤں کہ اس سال ستمبر کی رات کو میرے ساتھ کیا گزری یہ ایک اتفاق ہی ہے کہ ۱۱ کی صبح میری حسرت ناک جوان مرگی کی کوئی خبر نہ چھپی میں بچ گیا لیکن بچا نہیں میرے اعصاب اب عمر بھر اس صدمے کی یاد میں تنے رہیں گے۔(۷)

اس واقعے کے اثرات ان کی شاعری میں بھی نظر آتے ہیں تاہم اس ضمن میں انھوں نے زیادہ باتیں اعظمی سے ہی کی ہیں متعدد خطوط میں انھوں نے خلیل الرحمٰن اعظمی سے واردات قلبی کا ذکر کیا ہے لکھتے ہیں۔

> اس وقت میں ایک عجیب سے زندان میں بیٹھا ہوں... پیارے اعظمی تم سے دل کی وارداتیں کیا کہوں۔ یہ باتیں کہنے کی نہیں ہوتی۔(۸)

خط مکتوب نگار کی شخصیت کا آئینہ ہوتے ہیں کیوں کہ ان میں وہ عموماً بغیر لگی لپٹی کے اپنی اصل شخصیت سے پردہ کشائی کرتے ہیں۔ ابن انشا کے خطوط سے بھی ان کے مذاق شوخ اور نظریات کو سمجھنے میں بڑی حد تک مدد ملتی ہے بظاہر وہ یار باش اور رونق محفل تھے لیکن اندر سے شکستہ اور تنہا تھے انتظار حسین کے نام خط ۲۸/مئی ۱۹۸۳ء میں لکھتے ہیں:

> سچی بات یہ ہے کہ واہمی، ابہام پرست، خبطی، سنکی، آزادہ رو، وارستہ مزاج میں ہمیشہ سے تھا۔(۹)

یہی حقیقت پسندی ان کے اپنے خاندان کے بارے میں رائے سے بھی نظر آتی ہے اہلِ قلم کی طرح وہ اپنے حسب ونسب کے متعلق بلند و بانگ دعوے نہیں کرتے جب ممتاز مفتی نے ان سے سکیچ مانگا تو جواب میں انھوں نے آپ بیتی مختصر طور پر مزاحیہ انداز سے بیان کر دی لکھتے ہیں:

> ابنِ انشا کو بارہا اللہ کا شکر ادا کرتے دیکھا گیا ہے۔ اس خاندان میں کوئی صاحب دیوان یا بے دیوان شاعر نہیں ہوا ورنہ تو اسے اس کے نام کا سہارا لینا پڑتا یا اس کی وجہ سے شرمندہ ہونا پڑتا۔ سیّد انشاءاللہ خان انشا سے بھی کوئی نسبت نہیں ہے لوگ سمجھتے ہیں کہ خطوں میں اسے سیّد ابنِ انشا لکھتے ہیں اور یہ چاہتا تو اس نسبت

ISSN: 2519-6332 (Print), ISSN: 2708-1915 (Online)

سے سیّد بن سکتا تھا۔ لیکن یہ عزت سادات بھی اسے کبھی مرغوب نہیں ہوئی۔ اپنی دہقانیت میں خوش ہیں اور اللہ اسے اسی میں خوش رکھے۔(۱۰)

بہت سے اہلِ قلم کی طرح ان کے ہاں بھی ماضی پرستی کی جھلک نظر آتی ہے انسانوں کی اکثریت کی مانند ابن انشا کو بھی ماضی خوشگوار اور مسرور کن معلوم ہوتا تھا۔ مکتوبات میں وہ دوستوں اور ماضی کی یادوں کو تازہ کرتے نظر آتے ہیں آزادی کے فوراً بعد ابنِ انشا لاہور میں سکونت پذیر ہوئے تو لاہور میں ان کا حلقہ ارباب بنا دو سال بعد جب وہ کراچی منتقل ہوئے تو لاہور کا ذکر محبت آمیز انداز سے کرتے رہے اور یہاں گزرا وقت شب و روز یاد کرتے رہے۔ انتظار حسین کے نام خط ۲۸ رمئی ۱۹۵۳ء میں مارشل لا کے بعد ہونے والی تبدیلیوں اور بیتے دنوں کو یاد کرتے ہوئے لکھتے ہیں۔

لاہور سے کوئی درویش یہاں آیا تھا۔ تو میں اس سے یہی پوچھتا تھا کہ بھائی... لاہور کہ ایک شہر تھا عالم میں انتخاب... اس کا کیا حال ہوا... وہ خوانچوں والے کہاں گئے، وہ شب گردی کرنے والے آوارہ مزاجوں کے شب و روز کیسے گزر رہے ہیں۔ چھولوں اور کلچوں والوں کا بازار تو مارشل لا نے سرد کر دیا ہوگا۔ سینماؤں کا بھیڑ بھاڑ کا، قلفوں والوں کی آوازیں، ٹانگوں والوں کی تانیں، چائے خانوں کی رات گئے کی محفلیں... سارا شیرازہ بکھر گیا ہوگا۔(۱۱)

اسی طرح سکول کے زمانے کے دوست حمید اختر کے نام لکھے گئے منظوم خط میں بھی ماضی کی خوش گوار یادوں کو تازہ کرتے ہوئے لکھتے ہیں:

میں جانتا ہوں خوب بہت خوب تھا ماضی
اس سین پہ اب دیر ہوئی گر گیا پردا(۱۲)

لاہور شہر سے ان کی انسیت دیگر جگہوں پر بھی نظر آتی ہے وہ لاہور شہر سے نقل مکانی نہیں کرنا چاہتے تھے اور نہ ہی دوستوں سے جدائی انھیں گوارا تھی اے حمید کے نام خط مکتوبہ ۱۴ر مارچ ۱۹۴۹ء میں لکھتے ہیں:

میرے لیے سب سے بڑی بدخبری یہ ہے کہ ہمارا دفتر شاید جون تک کراچی منتقل ہو جائے۔ میری کوشش اب بھی یہی ہے کہ یہاں میرے لیے کوئی روزگار کی سبیل نکل آئے۔ تو نوکری چھوڑ کر یہیں رہ جاؤں۔ لیکن معلوم ہوتا ہے کہ روزگار کی کوئی سبیل یہاں نکلیں گی نہیں اور مجھے طوعاً کرہاً جانا پڑے گا اور سب دوستوں

ISSN: 2519-6332 (Print),   ISSN: 2708-1915 (Online)

سے ایک مستقل جدائی ہو جائے گی۔ (۱۳)

تاہم اسے ان کی متلون مزاجی کہہ لیجیے یا شخصیت کا تضاد یا فکر کے ارتقا سے تعبیر کر لیں کہ چند سالوں بعد ابنِ انشا کا موقف لاہور اور اس کی رنگینیوں اور دلچسپیوں کے متعلق یکسر بدل جاتا ہے۔ وہ لاہور کی بجائے کراچی کو ترجیح دیتے نظر آتے ہیں۔ محمد طفیل مدیر نقوش جب لاہور نمبر نکالنا چاہتے تھے تو ابنِ انشا کو بھی لاہور پر کچھ لکھنے کی دعوت دی تو ابنِ انشا کے لاہور کے متعلق تاثرات کچھ یوں تھے:

> لاہور پر میں تو ویسے بھی کچھ نہ لکھ پاتا کیوں کہ اس شہر سے مجھے کبھی انس نہیں رہا۔ میں نے جو کچھ جذباتی طور پر کھویا اور پایا ہے کراچی میں پایا ہے۔ لاہور میں جو دوست رہ گئے ہیں۔ ان کی گنتی کرنے بیٹھوں تو پانچ تک بھی نا پہنچے گی ادھر کراچی میں ایسے دوست ملے کے ان کے لیے جان دینے کو جی چاہے۔ (۱۴)

یہ تغیر یقیناً حیرت افزا ہے ابن انشا دوستوں اور معاصرین کے متعلق تعریف و توصیف کے معاملے میں بخل سے کام نہیں لیتے تھے۔ دل کھول کر دوستوں کی تحریروں پر اچھی رائے دے دیتے تھے انھیں مفید مشورے بھی دیتے تھے انتظار حسین کے نام محرّرہ خط ۲۲/ مارچ ۱۹۵۵ء میں ان کے مضامین پر بے تکلف تبصرہ کرتے ہوئے لکھتے ہیں:

> تمھاری عقل مندیاں اور بے وقوفیاں دیکھتا رہتا ہوں آفاق میں تم نے لاہور کی گلیوں کے متعلق بڑے مزے کے مضمون لکھے ہیں۔ کاش تم ادبی سیاست اور نظریہ بازی سے الگ ہو کر ہی کچھ لکھتے رہو۔ (۱۵)

اسی طرح انتظار حسین کے نام ایک اور خط میں لکھتے ہیں:

> تمھارا کالم...کے بارے میں تین بار پڑھ چکا ہوں۔ چوتھی بار پڑھنے کی ہوس ہے واہ، واہ تمھارا شاہکار ہے۔ (۱۶)

دوستوں کی تحریروں کے متعلق ان کی آرا میں خلوص اور نیک نیتی جھلکتی ہے۔ وہ ایک مخلص دوست کے روپ میں سامنے آتے ہیں۔ ان کے زیادہ تر خطوں میں اخلاص اور محبت کی فراوانی نظر آتی ہے ان کے حلقہ ارباب میں حمید اختر، اے حمید، جمیل الدین عالی، احمد ندیم قاسمی، انتظار حسین، ممتاز مفتی، قدرت اللہ شہاب، احمد بشیر راہی، ساحر لدھیانوی، خلیل الرحمٰن اعظمی اور کچھ ادیب خواتین جن کے ساتھ بے تکلفی بھی نمایاں ہے۔ اپنے خط مکتوبہ خط ۲۲/جنوری ۱۹۵۷ء میں خلیل الرحمٰن اعظمی کو لکھتے ہیں:

ISSN: 2519-6332 (Print), ISSN: 2708-1915 (Online)

بڑے آدمی بننے والے ہو، لکھتے رہو، پڑھتے رہو، سوچتے رہو اور لکھتے رہو، لیکن دیکھنا اپنا قلم کسی کے ہاتھ بیچنا نہیں، تم میں ایک بڑی خوبی تمھاری سیر چشمی ہے تمھارا محبت اور اپنائیت کا رویہ مجھے پسند ہے۔ جان من! تم بہت پیارے آدمی ہو۔(۱۷)

اگرچہ ابنِ انشا تعریف وتوصیف اور نمود ونمائش کے خواہاں نہیں ہوتے تھے۔ لیکن جس طرح وہ دوستوں کی دل کھول کر تعریف کرتے تھے۔ ویسے ہی تعریف کے متمنی بھی ہوتے تھے۔ بعض اوقات تو بے تکلف دوستوں سے فرمائش کر دیتے تھے کہ میری نظم ونثر کی تعریف کی جائے اس قسم کی مثالیں ان کے سفر ناموں اور خطوط سے بھی ملتی ہیں ممتاز مفتی کے نام مکتوبہ خط ۳۰/جنوری ۱۹۷۱ء میں لکھتے ہیں:

مفتی جی میری تحریروں پر نظم ونثر پر ایک مضمون لکھ دو بس تعریف کرنا تنقید کا ترازو لے کے نہ بیٹھ جانا۔(۱۸)

اسی طرح کی مثال عطاء الحق قاسمی کے نام لکھے گئے خط میں بھی نظر آتی ہے۔

آپ نے پچھلے ہفتے تذکرہ کر دیا کہ وہاں یہ کتاب چھپی ہے شکریہ لیکن آپ کو تبصرہ کرنا چاہیے تھا۔ آپ کو یہی لکھنا چاہیے تھا کہ بے مثال کتاب ہے ایسا شاعر اردو کیا کسی اور زبان میں بھی پیدا نہیں ہوا اس کی شاعری آفاقی ہے... میں نے آپ کو بے لاگ تبصرے کو تھوڑی کہا تھا۔(۱۹)

یہ بے ضرر سی فرمائش چاہے انھوں نے بے تکلف دوستوں سے مذاق کے انداز سے ہی کیوں نہ کی ہو۔ لیکن ان سے ان کی مزاج فہمی میں معاونت ضرور ہوتی ہے۔ مطالعہ کی عادت ہمیشہ ان کی رفیق کار رہی۔ یہ بچپن کا شوق تھا جو زندگی کی آخری سانسوں تک برقرار رہا کتابوں سے ان کی رغبت اور دلچسپی کا اندازہ اس بات سے بھی ہوتا ہے کہ یونیسکو کی طرف سے قائم کردہ ادارے نیشنل بک سینٹر کی نوکری انھوں نے مانگ کر لی۔ اس عہدے پر فائز ہونے کے بعد انھیں دنیا کے بہت سے ممالک کی سیاحت اور دنیا بھر کی لائبریریوں سے استفادے کا موقع ملا۔ جب وہ نیشنل بک سینٹر میں ملازم ہوئے تو برطانیہ میں موجود لائبریریوں میں ہندوستانی کتب میں سے لازمی طور پر پاکستان کا بھی حصہ بنتا تھا۔ تو کمیٹی نے فیصلہ کیا کہ برطانیہ کے انڈیا آفس لائبریری میں موجود کتب کو مائیکرو فلم کی صورت میں سٹور کر کے پاکستان بھیجا جائے۔ اس سلسلے میں ابنِ انشا کی تعیناتی دل کی مراد بر آنے کے مترادف تھی اپنی اس ڈیوٹی کے متعلق ذوالفقار تابش کے نام مکتوبہ خط ۱۲/اپریل ۱۹۷۷ء میں لکھتے ہیں:

یہاں جو کام ہے وہ نیشنل بک کونسل اور رسالہ کتاب سے یکسر غیر متعلق نہیں یہاں

ISSN: 2519-6332 (Print),   ISSN: 2708-1915 (Online)

میرا واسطہ بھی اپنے ابا کی کتابوں سے ہوگا آج بھی دن بھر انڈیا آفس میں پرانی کتابوں میں غوطے مارتا رہا۔اس سے پہلے مخطوطات سے آنکھیں سینکتا رہا ہوں انڈیا آفس لائبریری کی کتابوں کی تفہیم کا مسئلہ تو بوجوہ کھٹائی میں پڑ گیا ہے۔ کوشش ہے کہ مطبوعہ اور غیر مطبوعہ نوادرات کی نقلیں مائیکروفلم کی صورت میں وطن عزیز بھجوا دی جائیں۔[۲۰]

ابنِ انشا کا معمول تھا کہ سونے سے پہلے مطالعہ ضرور کرتے تھے اپنی اس عادت کے متعلق مکتوبہ خط میں اپنے دوست اے حمید کو کراچی کے معمولات بتاتے ہوئے لکھتے ہیں:

وہاں میرے بستر کے قریب کا بلب رات بھر جلتا رہتا ہے۔لوگ سو چکے ہوتے ہیں...سونے سے پہلے ایک کتاب ضرور پڑھتا ہوں۔[۲۱]

ابنِ انشا کے خط اس حوالے سے بھی اہمیت کے حامل ہیں کہ ان سے اُن کے رجحان طبع اور ذہنی وابستگی کے متعلق معلومات ملتی ہیں۔اپنے خطوط میں انھوں نے ادبی نظریے اور رائٹرز گلڈ کے بارے میں اہم باتیں کی ہیں گلڈ سے ان کی وابستگی اس کے قیام ۱۹۵۹ء سے بطور رکن رہی بعد میں اس کے صدر بھی رہے اور تمام ذمے داریوں کو ایمان داری سے نبھاتے رہے تاہم ان پر ذاتی مفاد اور پیسے کے غبن جیسے الزامات بھی عائد ہوتے رہے۔جن کی صفائی وہ احمد ندیم قاسمی کو اپنے خطوط مکتوبہ ۱۴ جنوری ۱۹۷۴ء میں دیتے ہوئے لکھتے ہیں:

پچھلے ہفتے میں پنڈی گیا تو ممتاز مفتی نے بتایا کہ طفیل صاحب کیا کہہ رہے تھے وہ یہ کہہ رہے تھے کہ گلڈ کو کاریں ملی تھیں وہ ان لوگوں نے خود روبرو کر دیں...تھوڑی سی گرانٹ جس سے کراچی اور لاہور دفتر لشتم پشتم چلتے رہے۔لوگوں کو گلڈ کے وسائل سے متعلق بڑی غلط فہمیاں ہیں اب ان لوگوں کے ہاتھ میں آئی ہے تو خود ہی ان کو معلوم ہو جائے گا۔ بہرحال جہاں تک میرا تعلق ہے میں نے کسی کو پیسا کھانے کا موقع نہیں دیا...اپنی ذات پر کوئی پیسا خرچ کیا ہو تو کوئی بتا دے۔ میں نے ایک بار دستاویز والوں کو بھی چیلنج کیا تھا کہ ثابت کریں کہ میں نے کوئی سفر گلڈ کے خرچے پر کیا ہو...اندرون ملک یا بیرون ملک بھی کوئی بھتہ لیا ہو... کسی کو نوکر رکھوایا ہو،خود انعام لیا ہو یا کسی کو دلوایا ہو۔[۲۲]

اسی طرح انجمن ترقی اردو کراچی کے مسائل اور معاملات کا ذکر بھی ایک دو خطوط میں تفصیل سے کیا ہے

ISSN: 2519-6332 (Print), ISSN: 2708-1915 (Online)

کیوں کہ مولوی صاحب کی قربت کی وجہ سے وہ تمام باتوں سے آگاہ تھے ادبی تحریکوں کے حوالے سے ان کا جھکاؤ ترقی پسند اور سوشلزم کی طرف تھا۔ انتظار حسین کے نام خط ۱۱/دسمبر ۱۹۵۹ میں لکھتے ہیں:

> ترقی پسندوں کے ساتھ اور ان سے الگ سوشلزم کا بھوت بھی مجھ پر سب سے زیادہ سوار تھا اور میں اب بھی اس کا نام لیوا ہوں اگرچہ کسی خاص حوالے سے کسی خاص صورت پر اصرار نہیں کرتا۔[۲۳]

بیشتر مزاح نگاروں کے خطوط سنجیدہ اور روکھے پھیکے ہوتے ہیں مگر ابنِ انشا کی تمام نثری تحریریں بشمول مکتوبات ظرافت سے پُر ہیں انھوں نے مزاح کے تقریباً ہر حربے کو بروے کار لا کر مکتوباتی اسلوب کو طنزیہ اور مزاحیہ رنگ دیا ہے۔ کرنل محمد خان کے نام مکتوبہ خط ۱۸/اکتوبر ۱۹۶۶ء میں مزاح نگاروں کا تذکرہ کرتے ہوئے لکھتے ہیں:

> پطرس بے شک ہمارے ہاں شائستہ مزاح کے ستون تھے اور اخبار میں لکھنے والوں میں چراغ حسن حسرت نے طبیعت شگفتہ پائی تھی اور انداز بے ساختہ پھر اردو کی لاج رکھنے کو بینک کا جنرل مینیجر اور پھر فوج کا ایک کرنیل آیا دونوں نے یہ بار امانت اٹھایا اور اس کا حق ادا کیا ہم انھی کے اسکول کے ایک جونیئر طالب علم ہیں۔[۲۴]

خطوط میں سے مزاح نگاری کی بے شمار مثالیں یہاں پیش کی جا سکتی ہیں تاہم طوالت سے بچتے ہوئے لاہور کا طنزیہ و مزاحیہ ذکر محمد طفیل کے نام خط مکتوبہ ۱۱/دسمبر ۱۹۶۱ء میں ملاحظہ ہو:

> سچ یہ ہے کہ لاہور کا نام آتے ہی مجھے جمائیاں آنے لگتی ہیں۔ کیا سست لیٹا لیٹا شہر ہے۔ بقول ہمارے ایک دوست کے پاکستان کا سب سے بڑا گاؤں ہے۔ سواری دیکھو تو تانگہ چلتا ہے۔ میں تو لاہور میں ہوتا ہوں تو یہ اصول رکھتا ہوں کہ فرصت ہوئی اور تفریح کو جی چاہا تو تانگے میں جا بیٹھے۔ کہیں جلدی پہنچنا ہو تو پیدل کو ترجیح دی۔ کیوں کہ معلوم ہوتا ہے سودا کے گھوڑے نے فیملی پلاننگ نہ کی تھی اور لاہور کے تانگوں کا اس کی اولاد نرینہ پر کاروبار چلتا ہے۔ پھونک پھونک کر قدم رکھنا تو اپنی جگہ لاہور کے یہ غازی مرد تو پوچھ پوچھ کر باقاعدہ تحریری اجازت لے کر قدم اٹھاتے ہیں۔[۲۵]

ISSN: 2519-6332 (Print), ISSN: 2708-1915 (Online)

ان کا یہی ظرافت آمیز شگفتہ اسلوب ان کے مکتوبات کو خاص مقام عطا کرتا ہے۔ مکتوب نگاری کا یہ اسلوب سادہ عام فہم ہونے کے ساتھ ساتھ ادبی شان بھی لیے ہوئے ہے۔ ان کے اس ظرافت آمیز اسلوب کے متعلق ڈاکٹر ریاض احمد ریاض کا کہنا ہے۔

> ابنِ انشا کے رنگ طبیعت کا حال تو یہ ہے کہ ان کے بعض خطوط پر ان کے فکاہیہ کالموں کا گمان ہوتا ہے اتنا ان میں دلچسپی اور مسرت کا سامان موجود ہے۔ (۲۶)

ابنِ انشا مزاح کو فطری اور قدرتی واردات سمجھتے تھے ان کے نزدیک اعلیٰ مزاح نگاری ہر کس و ناکس کے بس کی بات نہیں تھی۔ بازاری اور بھرتی کا مزاح لکھنے والوں کے متعلق کرنل محمد خاں کے نام خط مکتوبہ ۴ر مئی ۱۹۶۷ء میں لکھتے ہیں:

> آج کل تو ہر چیز بزورِ بازو حاصل کی جاتی ہے امریکا میں تو شاعری اور سوز و گداز تک سیکھنے کے مدرسے ہیں ہمارے ہاں بھی لوگوں نے مذاق کو اسی قسم کی دست کاری سمجھ رکھا ہے۔ (۲۷)

اس خط میں انھوں نے اودھ پنچ کے لکھنے والوں پر بھی تنقید کی ہے اور انھیں طنز کا نشانہ بناتے ہوئے لکھتے ہیں:

> اودھ پنچیوں کا بھی تھوڑا سا مطالعہ کیا ہے یہ بے چارے تو بالکل گھاس تھے۔ بریکٹ میں قاری کو ہدایت بھی کرتے تھے کہ ہاں اب ہنسو۔ (۲۸)

ابنِ انشا خود فطری مزاح نگار تھے۔ اچھے اور برے مزاح کا فرق جانتے تھے۔ ان کا معیاری تنقیدی شعور ان کی تخلیقیت کی جان تھا۔ ان کی مادری زبان پنجابی تھی تاہم اس کے علاوہ اردو، ہندی، انگریزی، فارسی، چینی اور جاپانی زبانوں سے بھی اچھی واقفیت تھی۔ مادری زبانوں اور علاقائی زبانوں کی اہمیت سے آگاہ تھے۔ لیکن واقفیت کے لیے اردو زبان کے پرزور مبلغ تھے۔ احمد ندیم قاسمی کے نام لکھتے ہیں:

> جہاں تک مادری زبانوں کے فروغ یا ان کو ان کا صحیح مقام دینے کا سوال ہے وہاں تک تو بات ٹھیک ہے آخر ہماری زبان بھی پنجابی ہے لیکن جہاں یہ کسی سیاسی پروگرام کا شاخسانہ بن جاتا ہے۔ چار قومیّتوں کی طرف لے جاتا ہے وہاں ہمیں بالغ ذہن سے سوچنا چاہیے۔ (۲۹)

ان کے لسانی اور ادبی نظریات واضح اور حقیقت پر مبنی تھے۔ تخلیق میں وہ سرقہ بازی کو غلط سمجھتے تھے اور جدیدیت کے شوق میں انگریزی کی نقل کو بہت برا گردانتے تھے۔ انتظار حسین کے نام خط ۲۱ر دسمبر ۱۹۵۹ء میں

ISSN: 2519-6332 (Print), ISSN: 2708-1915 (Online)

لکھتے ہیں:

یہ انگریزی ادب کی جوٹھن کھانے اور اترنیں، پہننے کا کیا فائدہ...نا بھئی نا... (۳۰)

اے حمید کے نام ۱۳/ اپریل ۱۹۵۳ء میں لکھے گئے ایک خط میں اپنے ادبی نظریے اور فن کار کے متعلق مزید لکھتے ہیں:

فن کار بالخصوص تخلیقی فنکار کے متعلق میرا تصور وہی پرانا گھسا پٹا ہے کہ وہ اپنے جی کی لگن کے مطابق کام کرتا رہے لکھتا رہے تصویریں بناتا رہے خدا نے چاہا تو دنیا اس کی طرف خود کھنچی آئے گی۔ (۳۱)

زندگی کے آخری آیام میں لکھے گئے خطوط میں انھوں نے اپنی بیماریوں کا ذکر بھی کیا ہے۔ ۱۹۷۴ء میں جب انھیں گلے کا کینسر تشخیص ہوا تو اس کا اظہار ان کی نظم و غزل اور خطوط میں بھی ہوا۔ احمد ندیم قاسمی کے نام لکھے گئے خط مکتوبہ ۸/ دسمبر ۱۹۷۴ء میں وہ نظم کا ذکر کرتے ہیں:

پچھلے دنوں ٹوکیو گیا تو وہاں کے ایک ہسپتال میں داخل ہو کر تشخیص بھی کروائی کچھ سرجری بھی ہوئی ایک شب کون جانے کیا کیفیت وارد ہوئی کہ یہ نظم ہوئی اپنی طرف سے اس بنجارے کے جلد کوچ کرنے کا ارادہ نہیں۔ (۳۲)

اپنی اس نظم اور غزل کو نام مبارک کہتے ہوئے احمد ندیم قاسمی کو مکتوبہ خط ۳/ جون ۱۹۷۷ء میں لکھتے ہیں:

فنون دیکھنے کو جی چاہتا ہے لیکن سچی بات یہ ہے کہ اپنی نظم دیکھنے کو جی نہیں چاہتا اسی طرح میں اپنی وہ نامبارک غزل بھی سننے کا روادار نہیں... انشا جی اٹھو اب کوچ کرو... کیوں کہ وہ بات سچ ہو چلی تھی۔ (۳۳)

ان کے خطوط کی مختلف جہات میں کہیں ان کا اسلوب خاص طنز و مزاح نگار کا ہے تو کہیں وہ سنجیدہ انداز اپناتے ہیں۔ کچھ خطوط نجی نوعیت کے ہیں اور زیادہ تر عام دلچسپی کے حامل ہیں۔ معاصرین کے متعلق ان کی بے لاگ رائے اور معاصر ادیب پر تبصرے انتہائی دلچسپ اور معلوماتی ہیں۔ ان کے زیادہ تر مکاتیب طویل ہیں تاہم ان کی طوالت مکتوب الیہم اور قارئین پر گراں گزرنے کے بجائے لطافت طبع کا ذریعہ بنتی ہے۔ اُن کی زبان دلچسپ اور ادبی چاشنی سے مملو ہے۔ روزمرہ اور محاورے کے استعمال نے اس کو چار چاند لگا دیے ہیں۔ بات سے بات پیدا کرنے کا فن، بے تکلفی اور سادگی و سلاست اور روانی بعض جگہوں پر مقفّیٰ انداز ان کے اسلوب کو غالب کے مماثل کر دیتا ہے۔ منظوم مکتوب نگاری کی مثالیں اگرچہ تھوڑی ہیں لیکن یہ بھی ان کی قادرالکلامی کی دلیل ہیں۔

ISSN: 2519-6332 (Print),   ISSN: 2708-1915 (Online)

ابنِ انشا کے خطوط کے مطالعے کے بغیر ان کی سوانح، شخصیت اور ادبی کردار کو سمجھنا از حد دشوار ہے۔

حواشی

۱۔ ڈاکٹر ریاض احمد ریاض، ابنِ انشا: احوال و آثار، (کراچی: انجمن ترقیِ اردو پاکستان، ۱۹۸۸ء)، ص ۳۱
۲۔ ایضاً، (مرتبہ)، خط انشا جی کے، (جہلم: بک کارنر، ۲۰۲۱ء)، ص ۲۴۳
۳۔ ایضاً، ص ۲۴۳
۴۔ ایضاً، ص ۲۴۴
۵۔ ایضاً، ص ۱۸۳
۶۔ ایضاً، ص ۱۷۶
۷۔ ایضاً، ص ۱۹۶
۸۔ ایضاً، ص ۱۹۵
۹۔ ایضاً، ص ۹۴
۱۰۔ ایضاً، ص ۲۵۷
۱۱۔ ایضاً، ص ۹۴
۱۲۔ ایضاً، ص ۱۷۴
۱۳۔ ایضاً، ص ۱۱۷
۱۴۔ ایضاً، ص ۲۳۳
۱۵۔ ایضاً، ص ۱۰۱
۱۶۔ ایضاً، ص ۱۱۳
۱۷۔ ایضاً، ص ۱۸۴
۱۸۔ ایضاً، ص ۲۶۲
۱۹۔ ایضاً، ص ۲۰۹
۲۰۔ ایضاً، ص ۲۰۳
۲۱۔ ایضاً، ص ۱۳۰
۲۲۔ ایضاً، ص ۴۹
۲۳۔ ایضاً، ص ۱۰۳
۲۴۔ ایضاً، ص ۲۲۲
۲۵۔ ایضاً، ص ۲۳۶
۲۶۔ ڈاکٹر ریاض احمد ریاض، ابنِ انشا: احوال و آثار، ص ۹۲۹
۲۷۔ ایضاً، (مرتبہ)، خط انشا جی کے، ص ۲۲۱
۲۸۔ ایضاً، ص ۲۲۲
۲۹۔ ایضاً، ص ۴۸

ISSN: 2519-6332 (Print), ISSN: 2708-1915 (Online)

۳۰۔ ایضاً،ص ۱۰۲
۳۱۔ ایضاً،ص ۹۱
۳۲۔ ایضاً،ص ۵۸
۳۳۔ ایضاً،ص ۶۳

مآخذ

۱۔ ریاض، ریاض احمد، ڈاکٹر، ابنِ انشا: احوال و آثار، کراچی: انجمن ترقیِ اردو پاکستان، ۱۹۸۸ء
۲۔ ____، (مرتبہ)، خط انشا جی کے، جہلم: بک کارنر، ۲۰۲۱ء

Bibliography:

1. Riaz, Riaz Ahmed, Dr., Ibn-e-Insha: Ehwal-o-Asaar, Karachi: Anjuman Taraqqi-e-Urdu Pakistan: 1988
2. _____, (Ed.) Khat Insha Ji kay, Jhelum: Book Corner, 2021